پروفیسر رشید احمد

ابنِ طقطقی کے سیاسی افکار

تیرھویں صدی عیسوی میں سنٹرل ایشیا سے ایک سیلاب اسلامی دنیا کی طرف بڑھا۔ متعدد حکومتیں اس کی زد میں آکر خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔ چین سے بحر روم تک خون کا ایک سمندر بن گیا۔ ان تباہ کاریوں نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا۔ ادب، علوم و فنون بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔ شاعری نے تصوف کے دامن میں پناہ لی، ادب تاریخ نویسی کے مترادف بن گیا۔ فنونِ لطیفہ کا دائرہ تعمیرات تک محدود ہو کر رہ گیا۔ سیاسیات بھی اس منگولی یلغار سے محفوظ نہ رہ سکی۔ سیاسی افکار و تصورات میں حقیقت پسندی کا غلبہ ہوگیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ علم السیاست تاریخ کا ایک شعبہ بن گیا۔ تاریخوں کی بے شمار کتابیں لکھی گئیں لیکن چند کے سوا ان کی حیثیت قدیم تاریخ کی شرح اور خلاصہ سے زیادہ نہ تھی۔ البتہ ایسے دو مؤرخ پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیت کو بروئے کار لاکر تاریخ کو قصہ گوئی کی بجائے ایک مستقل علم بنا دیا۔ ان میں سے ایک ابن خلدون ہے اور دوسرا ابن طقطقی۔

صفی الدین بن علی بن طبا طبا المعروف بہ ابن طقطقی سقوط بغداد کے چار سال بعد ۱۲۶۲ء میں پیدا ہوا۔ وہ خاندانِ نبوی سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اٹھارہ واسطوں سے اس کا سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک جا پہنچتا ہے۔ علوی تحریک میں ابن طقطقی کے آبا و اجداد بہت پیش پیش رہے۔ اس کا والد تاج الدین علی بن محمد دریائے فرات کے ساحلی شہر حلہ میں علویوں کا رہنما تھا۔ ۱۲۸۱ء میں جب وہ قتل کر دیا گیا تو قیادت کی ذمہ داری ابن طقطقی کو ورثہ میں ملی۔ وہ ۱۲۹۸ء میں بغداد آیا۔ یہ ہلاکو کے پرپوتے غزن کا عہد تھا۔ تین سال تک بغداد میں رہنے کے بعد وہ عازم تبریز ہوا۔ موسم کی خرابی اور برفباری کی شدت کی وجہ سے تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ مجبوراً ابن طقطقی کو موصل میں رکنا پڑا۔ فروری تا جون ۱۳۰۲ء کے دوران جب کہ وہ حاکم موصل فخر الدین عیسیٰ بن ابراہیم کا مہمان تھا اس نے اپنی کتاب الفخری لکھی۔ مہمان نوازی اور اپنے کتب خانے کے استعمال کی اجازت دینے کے شکریہ کے طور پر مصنف نے اس کتاب کا نام فخر الدین کے نام پر الفخری رکھا۔

ابن طقطقی کی تاریخ وفات کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔

الفخری

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ جو ہمارے نقطۂ نظر سے بہت اہم ہے اس میں جہانبانی اور سیاست کے

اصول مذکور ہیں اور ان اصول کی وضاحت نہایت دلپذیر انداز میں تاریخی واقعات کے ذریعہ کی گئی ہے۔ حکمران کے اوصاف، رعایا اور راعی کے حقوق و فرائض، عمال حکومت کی صفات غرضیکہ سیاسات کا کوئی پہلو نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ دوسرا حصہ تاریخ کا ہے جس میں خلفائے اربعہ سے زوال بنی عباس تک کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی واقعات درج ہیں۔ آل عباس کے سلسلے میں دیالمہ، سلاجقہ، فاطمیوں اور ایوبیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ الفخری کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حکمران کے عہد کے اہم واقعات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے وزیروں کے کارناموں سے بھی بحث کی گئی ہے۔ تاریخ کا یہ حصہ پڑھنے والے کے لیے دلچسپی کا سامان ضرور فراہم کرتا ہے تاہم اس میں کوئی جدت اور اچھوتا پن وہ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ بعض واقعات کے بیان کرنے میں ابن طقطقی صحت سے زیادہ پڑھنے والے کی دلچسپی کو ملحوظ رکھتا ہے۔ شیعی فرقے سے تعلق رکھنے کے باوجود اس نے غیر جانبداری اور بے تعصبی سے کام لیا ہے۔ یہ امتیاز چند ہی مؤرخین کو حاصل ہے۔ الفخری کی اہمیت کے اظہار کے لیے ابن طقطقی کے خیالات کا نقل کر دینا کافی ہے۔ وہ الفخری کے دیباچے میں لکھتا ہے:

"میری کتاب سیاست دانوں اور حکمرانوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ اگر لوگ انصاف سے کام لیں گے تو اسے اپنے بچوں کو حفظ کرا دیں گے۔ اور خود اس کے افکار میں غور و خوض کرنے کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو بھی اس کے معانی و مطالب کے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ یہ کتاب نوجوانوں اور بوڑھوں مسلم فرمانرواؤں اور علاقائی حکمرانوں، دونوں کے لیے برابر مفید ہوگی۔ محققین اور طلبا بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے۔ ... یہ کتاب حماسہ سے بھی (جس کے لوگ بہت زیادہ گرویدہ ہیں اور اپنے بچوں کو حفظ کراتے ہیں) زیادہ سودمند ہے۔ کیونکہ حماسہ سے ایک ہی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ بہادری اور مہمان نوازی کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں اور آداب کے تحت چند اخلاق مذکور ہیں ان کو اپنانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ شاعری کا ذوق بھی نکھر جاتا ہے۔ لیکن میری تصنیف کے ذریعہ حماسہ کے فوائد کے علاوہ یہ فائدہ ہوگا کہ فرمانروائی کے بنیادی اصول اور سیاست کے اہم قوانین سے بھی واقفیت ہو جائے گی۔ فی الحقیقت اس کتاب میں ایسی چیزیں بیان ہوئی ہیں جو حماسہ میں نہیں ہیں اور ایسے معانی مذکور ہوئے ہیں جن سے حماسہ عاری ہے۔ الفخری ذہانت کو تیز، عقل کو دوررس اور خیالات کو بلند کر دے گی۔ ... یہ کتاب مقامات پر بھی فوقیت رکھتی ہے جن کے متعلق لوگ بہت اچھی رائے رکھتے ہیں اور جنہیں وہ حافظہ میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ مقامات سے بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ انشا پردازی کی مشق ہو جاتی ہے۔ نظم و نثر کے مختلف اسالیب کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن ان میں ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن سے اخلاق پست ہو جاتے ہیں کیونکہ

زیادہ تر معمولی مقاصد کے حصول کے لیے بھیک اور فریب دہی کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اس طرح مقامات ایک لحاظ سے مفید ہیں تو دوسرے اعتبار سے مضر ہیں۔"

ابن طقطقی کے مندرجہ بالا خیالات بہت حد تک حقائق پر مبنی ہیں ان میں تعلی کو بہت کم دخل ہے۔ اس کی افادیت ہی کے پیش نظر الفخری آج بھی اکثر مدارس میں داخل نصاب ہے۔ تاریخ ادب عربی (LITERARY HIS-TORY OF THE ARABS) کے مصنف آر۔ اے نکلسن (R. A. NICHOLSON) کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر میری دانست میں الفخری سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے جس کے ذریعے مبتدیوں کو عربی ادب سے روشناس کرایا جا سکے۔"

الفخری کی علمی اہمیت کے متعلق یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کتاب مقدمۂ ابن خلدون کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئی کیونکہ الفخری کے پہلے حصے سے تاریخ کے مقدمے لکھے جانے کا رواج ہوا اور اسی رجحان کے تحت چند سال کے بعد ابن خلدون نے اسی نہج پر اپنا شہرۂ آفاق مقدمہ لکھا۔ اگرچہ ان دونوں کا مقابلہ کرنا ابن خلدون کے ساتھ بے انصافی ہے تاہم بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ الفخری مقدمہ کے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلوب بیان اور طرز استدلال

ابن طقطقی نے اپنی تصنیف میں تمام تر یہی کوشش کی ہے کہ زبان آسان اور واضح استعمال کی جائے تاکہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ وہ خود کہتا ہے "میری کوشش یہی تھی کہ میں اپنے خیالات کو اس سادگی کے ساتھ قلمبند کروں جس تک ہر شخص کے ذہن کی رسائی ہو سکے۔ میں نے خطیبانہ بلاغت سے قصداً احتراز کیا ہے کیونکہ اس طریقے سے زبان پیچیدہ اور دقیق ہو جاتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر مصنفین اسی بات کے درپے رہتے ہیں کہ سخن آرائی اور بلاغت کا مظاہرہ کریں جس کی وجہ سے ان کے خیالات مبہم بن جاتے ہیں اور ان کے معانی میں غور و فکر کرنا ممکن نہیں رہتا اور ان کی تصنیف کا فائدہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں میں ابوعلی حسین بن سینا بخاری ہیں جنہوں نے اپنی طب کی تصنیف میں دقیق الفاظ اور پیچیدہ تراکیب استعمال کر کے کتاب کی افادیت بہت کم کر دی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اطباء نے اس کو ترک کر کے المالکی کو پسند کیا ہے جس کی زبان بہت صاف اور واضح ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ ابن طقطقی اپنے مقصد میں بہت کامیاب رہا۔ الفخری بہت عام فہم کتاب سمجھی جاتی ہے سہل نگاری ہی کی وجہ سے یہ کتاب بہت مقبول ہوئی۔ جا بجا ضرب الامثال، حکیمانہ مقولے اور برمحل اشعار نے اس سادگی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

ابن طقطقی اپنے افکار کے ثبوت میں حتی الامکان قرآنی آیات پیش کرتا ہے۔ جہاں وہ بادشاہ کے لیے ایفائے عہد ضروری بتلاتا ہے فرمان الٰہی اوفوا بالعھود ان العھد کان مسئولا بطور سند پیش کرتا ہے یا شوریٰ کی اہمیت کی وضاحت میں وشاورھم فی الامر سے استدلال کرتا ہے۔ اس نے رعایا پر راعی کی اطاعت کے وجوب میں

اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم کے ذریعہ ثبوت فراہم کیا ہے۔ الفخری سے اس قسم کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

قرآنِ حکیم کے علاوہ ابن طقطقی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے بھی استدلال کرتا ہے۔ اس نے ضعیف احادیث نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ فیاضی کی اہمیت اور سخی لوگوں کی فضیلت میں اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "سخی کی خطاؤں کو معاف کر دیا کرو کیونکہ وہ جب کبھی ٹھوکر کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتا ہے اور جب وہ کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ کھول دیتا ہے۔" وہ افعالِ محمدی کو بھی بطورِ سند بیان کرتا ہے۔ وہ شوریٰ کے سلسلے میں کہتا ہے کہ آپؐ کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ احادیث کے سلسلے میں ابن طقطقی دیگر شیعی مصنفین کی طرح اہل بیت سے مروی روایات تک خود کو محدود نہیں کرتا۔ بلکہ وہ تمام ثقہ رواۃ کی روایتوں پر خواہ اہل بیت میں سے ہوں یا نہ ہوں اعتماد کرتا ہے۔

آثارِ صحابہ سے بھی ابن طقطقی نے استدلال کیا ہے۔ بالعموم حضرت علیؓ اور دیگر اصحاب اہل بیت کے زریں اقوال سے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً حضرت علیؓ کا یہ مقولہ "سخاوت ہی شہرت کی محافظ ہے" فیاضی کی اہمیت میں بیان کرتا ہے۔ شیعہ ہونے کے باوجود وہ شیخین کی سنت کا نہایت احترام سے ذکر کرتا ہے اور ان پر اپنے افکار کی بنیاد رکھتا ہے۔ وہ حضرت ابوبکرؓ کی سادگی اور تواضع کے متعلق رطب اللسان ہے اور فرمانروا کے اوصاف میں تواضع کو ضروری بتلاتا ہے۔ اس نے حضرت فاروقؓ کے عدل وانصاف کے سلسلے میں یمنی چادروں کی تقسیم پر ایک بدو کی غلط فہمی کا مشہور واقعہ نہایت عقیدتمندی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ امیر معاویہ کے اقوال سے بھی اپنے خیالات کی وضاحت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ وہ بادشاہ کے علم کے متعلق امیر معاویہ کا حامی ہے کہ ایک علم میں مہارت حاصل کرنا بادشاہ کے لیے مفید نہیں ہے۔ وہ خوارج کے رہنماؤں کے آراء کو بھی ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جہاں وہ جلدبازی کرنے سے حکمرانوں کو باز رہنے کی تاکید کرتا ہے تو اس نے خوارج کے لیڈر الراسبی کا قول نقل کیا ہے کہ "میں جلدبازی کے فیصلے اور بغیر غور وفکر کئے اظہار رائے کرنے سے نفرت کرتا ہوں۔" اس نے راسبی کی دعا کا بھی ذکر کیا ہے جس میں جلدبازی کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ابن طقطقی نے اپنے افکار کے استدلال میں تاریخ سے بڑی مدد لی ہے۔ اس سلسلے میں وہ بہت وسیع القلب واقع ہوا ہے مسلم اور غیر مسلم، عرب اور غیر عرب اقوام کی تاریخ سے بلا امتیاز اقتباسات پیش کرتا ہے۔ مسلمانوں میں وہ ہر فرقے کے تاریخی واقعات سے استدلال کرنے میں اپنے ذاتی عقائد کو آڑے نہیں آنے دیتا۔ غیر مسلموں میں قدیم ایرانیوں، یونانیوں اور منگولوں کی تواریخ سے شہادت فراہم کرتا ہے۔ وہ چنگیز خاں کے بیٹے اکتائی خاں کی سخاوت کا مداح اور ایرانی بادشاہ اردشیر کی عقل اور قیافہ شناسی کا معترف ہے۔ اسکندر اعظم کے حکیمانہ اقوال بھی اس کی کتاب

کی زینت بنے ہیں ۔ نوشیروان عادل کے عاقل وزیر بزرجمہر کے خیالات سے خوشہ چینی کرنے میں بھی وہ کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا ۔ اسی طرح وہ شرعی شہادت پیش کرنے میں ماوردی اور غزالی کی صف میں شامل ہے تو غیر مسلم اقوام کی تاریخ سے حوالہ دینے میں نظام الملک اور کیکاؤس سے بھی پیچھے نہیں ہے ۔

اکثر موقعوں پر ابن طقطقی نامعلوم اشخاص کے مقولے نقل کرتا ہے ۔ کبھی وہ یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہے کہ " عقلمندوں کا قول ہے " یا " کسی عاقل نے کہا ہے " غالباً وہ خود اپنے خیالات کو اس طرح سے ظاہر کرکے ان کی وقعت اور اہمیت میں اضافہ کرنے کا متمنی ہے ۔ اور " سرِ دلبراں " کو " حدیثِ دیگراں " کے ذریعہ بیان کرنا چاہتا ہے ۔

ایک اور چیز جس نے ابن طقطقی کو دیگر مسلم مفکرین سے ممتاز کردیا ہے وہ اس کا ادبی ذوق ہے ۔ وہ جا بجا برمحل اشعار پیش کرتا ہے ۔ جن کی وجہ سے الفخری محض ایک تاریخ کی کتاب ہونے کے علاوہ تاریخِ ادب میں ایک اہم مقام رکھتی ہے ۔ زمانۂ جاہلیت کے شعراء کے کلام کا اقتباس پیش کرتا ہے جن میں امراء القیس اور نابغہ ذبیانی جیسے چوٹی کے شاعر شامل ہیں ۔ اور عہدِ اسلام کے شعراء کے بھی بے شمار شعروں کے ذریعے اپنے افکار کی توضیح میں مدد لیتا ہے ۔ ان شعراء میں فرزدق ، ابونواس اور متنبی شامل ہیں ۔ کبھی وہ غیر معروف اور نامعلوم شعراء کے شعر بھی نقل کرتا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس قسم کے اشعار اس کے اپنے ہوں ۔ اس طرح الفخری میں نظم و نثر کا عجیب و غریب امتزاج پایا جاتا ہے ۔ نثر میں بیان کردہ مطالب کی شعر کے ذریعہ وضاحت ایک طرف خیالات کو ذہن نشین کردیتی ہے تو دوسری طرف پڑھنے والے کو تسلیم کرتے ہی بن پڑتی ہے ۔

ابن طقطقی کے زمانے میں مختلف طبقے وجود میں آ گئے تھے ۔ مذہبی طبقہ کی عرصے سے رفتہ رفتہ گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی ۔ وہ قرآن و احادیث کے سوا کسی اور بات کی طرف کان دھرنے کے لیے آمادہ نہ تھا ۔ دوسرا پڑھا لکھا طبقہ تاریخ کا دلدادہ تھا ۔ تاریخی نظائر کے بغیر وہ کسی بات کے ماننے کے لیے تیار نہ تھا ۔ شعر و ادب کا دلدادہ گروہ اشعار اور ضرب الامثال ہی کے ذریعے کسی بات کو تسلیم کرتا ہے ابن طقطقی نے اپنی کتاب میں تینوں طرح کے دلائل مہیا کئے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تصنیف آج تک ہر طبقۂ خیال اور ہر فرقے میں مقبول ہے ۔

سیاسی نظریات

الفخری میں عملی سیاست میں کامیابی حاصل کرنے کے گر بتلائے گئے ہیں اور اس تصنیف کی غرض و غایت ہی یہی ہے کہ فرمانرواؤں اور سیاستدانوں کے لیے مشعلِ راہ بن سکے اور مشکلات کے وقت ان کی رہنمائی کرے ۔ اسی لیے یہ کتاب از ابتدا تا انتہا نہایت حقیقت پسندی پر مبنی ہے ۔ ابن طقطقی نے البتہ اپنی حقیقت پسندی کو آزاد نہیں چھوڑ دیا ۔ وہ اربابِ حکومت کو مصالح کی آڑ میں من مانی کاروائی کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دیتا ۔ ابن طقطقی

کی حقیقت پسندی پر اخلاقی اصول کا زبردست پہرہ ہے۔ وہ فرمانروا کو اخلاقی حدود سے سرمو تجاوز کرنے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں۔ مملکت کی ابتدا اس کی نوعیت اور مملکت کے ارتقائی مراحل جیسے مسائل ابن طقطقی کی حقیقت پسندی سے غیر متعلق ہیں اسی لیے وہ ان مسائل میں نہیں الجھتا۔ نہ ہی اس کے نزدیک اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہے کہ ملوکیت کا آغاز کب اور کیونکر ہوا، ملوکیت کے لیے اسلامی سیاسی نظام میں گنجائش ہے یا نہیں بلکہ وہ بلاواسطہ اس مفروضہ سے اپنی بحث کا آغاز کرتا ہے کہ ملوکیت بذاتِ خود مذموم شے نہیں ہے۔ وہ خلافت راشدہ کے نظام کو اپنے زمانہ میں ناقابلِ عمل خیال کرتا ہے کیونکہ اس دَور میں پیغمبری خصوصیات کا غلبہ تھا اور یہ حکومت بجائے ارضی ہونے کے آسمانی زیادہ تھی۔ اب اس کی نظیر پیش کرنا بدلے ہوئے حالات میں اس کے نزدیک ممکن نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن طقطقی خلافت اور خلیفہ کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس ادارہ کے تقدس اور اس کے احترام کا وہ قائل بھی ہے اور اس کی اہمیت کے اعتراف میں بھی وہ کوتاہی نہیں کرتا۔ تاہم وہ خلیفہ کو غیر محدود اختیارات دینے پر آمادہ نہیں۔ وہ اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتا تھا کہ صدیوں تک کٹھ پتلی بنے رہنے کے بعد عباسی خلفاء کے تقدس کا سحر ہلاکو خاں کے ہاتھوں ٹوٹ چکا تھا اور مصر میں یہ خاندان محض تبرک اور تبریک کے لیے مسندِ خلافت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ اسی لیے وہ خلیفہ کے اختیارات مذہبی امور تک محدود کر دینے کا حامی ہے اور خلیفہ کو محافظِ دین سے زیادہ حیثیت دیئے جانے کا وہ روادار نہیں۔ وہ سکہ اور خطبہ کی چاردیواری سے باہر خلیفہ کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ بادشاہ کے سپرد رعایا کے اقتصادی، مادی اور اخلاقی اصلاح کرتا ہے۔ اس میں مسلم وغیر مسلم، مومن اور کافر کی تمیز کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتا۔

بادشاہ کے اوصاف

ابن طقطقی کی حقیقت پسندی نے اسے بادشاہ کے اوصاف سے تفصیلی بحث کرنے پر مجبور کیا۔ وہ ایک کامل بادشاہ جسے وہ "الملک الفاضل" کے نام سے یاد کرتا ہے اس کے اوصاف اور شرائط بیان کرنے میں بہت زیادہ زورِ بیان صرف کر دیتا ہے۔ وہ اس امر کی توجیہہ بھی کرتا ہے کہ بادشاہ میں ان صفات کا ہونا کیوں ضروری ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "بادشاہ میں چند ایسی صفات کا ہونا ضروری ہے جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں کیونکہ حیثیت اور رتبہ میں بھی وہ دوسروں سے مختلف اور اعلیٰ ہے اور بادشاہ میں ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی چیز کو پسند کرتا ہے تو عوام بھی اس چیز کے گرویدہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ کسی بات کو پسند نہیں کرتا تو رعایا بھی اس کی اتباع میں اس بات سے متنفر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ایک کہاوت ہے کہ الناس علیٰ دین ملوکھم۔ ایک اور خصوصیت بادشاہ میں یہ پائی جاتی ہے کہ جب وہ کسی شخص سے نفرت کرتا ہے تو اس شخص کا دل بیٹھنے لگ جاتا ہے خواہ بادشاہ اسے کسی قسم کا نقصان نہ بھی پہنچائے اور جب کسی آدمی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کی توجہ ہمت افزائی کا باعث بن جاتی ہے خواہ اسے بادشاہ کی جانب سے کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچا ہو۔"

ملوکی صفات کے سلسلے میں ابن طقطقی کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ ایجابی اور سلبی دونوں قسم کی صفات گنواتا ہے۔ ابن طقطقی کے بیان کردہ اوصاف کی فہرست اس کے پیشرو مفکر کے افکار سے بہت مماثلت رکھتی ہے۔ تاہم دونوں مفکرین کے نقطۂ نظر میں بنیادی فرق ہے۔ ماوردی نے شرعی احکامات کی روشنی میں یہ فہرست مرتب کی ہے اور ابن طقطقی اخلاقی قوانین اور اصول سیاست کے تحت ان اوصاف کی نشاندہی کرتا ہے۔ ماوردی کے نزدیک ان اوصاف کا مقصد رضائے الٰہی، اخروی کامرانی اور اعلائے کلمۃ الحق ہے لیکن ابن طقطقی کے نزدیک عمدہ نظم ونسق کا قیام اور رعایا کی خوش حالی کے لیے یہ صفات ضروری ہیں۔

ابن طقطقی بادشاہ میں مندرجہ ذیل ایجابی صفات دیکھنے کا متمنی ہے :

اس کے نزدیک پہلی صفت عقل ہے۔ وہ عقل کو تمام صفات کی جڑ بتلاتا ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعے امور مملکت انجام پاتے ہیں اور جملہ صفات کا جائز اور صحیح استعمال بغیر عقل کے ممکن نہیں ہے۔ جو بادشاہ عقل کی دولت سے محروم ہو ابن طقطقی کے نزدیک زمام حکومت سپرد کیے جانے کا وہ ہرگز مستحق نہیں۔

عقل کے علاوہ عدل بھی بادشاہ کا ایک لازمی وصف ہے۔ جس کے ذریعہ دولت وثروت کی بہتات ہوجاتی ہے اور جس پر ملک کی آبادی کا انحصار ہے۔ رعایا کی ترقی عدل کے بغیر ممکن نہیں۔ عدل کے سلسلے میں وہ ہلاکو کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہے کہ بغداد پر قابض ہوجانے کے بعد ہلاکو نے قضاۃ سے اس بارے میں استفتاء کیا کہ عادل کافر بادشاہ بہتر ہے یا ظالم مسلمان۔ تمام فقہا غور وخوض کرنے کے لیے مستنصریہ میں جمع ہوئے لیکن انہوں نے فیصلہ کر لینے کے باوجود جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کی۔ رضی الدین علی بن طاؤس بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ وہ سن رسیدہ اور معزز تھے۔ جب انہوں نے علماء کے پس وپیش کو دیکھا تو انہوں نے فتویٰ لیا اور سب سے پہلے اپنے دستخط ثبت کر دیئے جس میں عادل کافر بادشاہ کو ظالم مسلمان فرمانروا پر ترجیح دی گئی تھی۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی دستخط کر دیئے۔ اس طرح ابن طقطقی عدل کو مذہب پر بھی ترجیح دیتا ہے۔

بادشاہ میں علم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ابن طقطقی کے نزدیک علم، عقل کا ثمرہ ہے جس کی مدد سے فرمانروا اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ کن امور کے حصول کے لیے اسے کوشاں رہنا چاہیئے اور کن چیزوں سے اسے اجتناب ضروری ہے۔ اور علم ہی اسے فیصلوں میں غلطی کرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ خورد وکلاں کی نظروں میں علم ہی کے باعث بلند ہوجاتا ہے اور اسی کے ذریعہ ہی اس کا شمار دنیا کے عظیم المرتبت بادشاہوں میں ہوسکتا ہے۔ ابن طقطقی بادشاہ کی علمیت کا عجیب و غریب معیار بتلاتا ہے۔ وہ نہ تو ماوردی کی طرح بادشاہ میں اجتہادی صلاحیت کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ غزالی کی طرح علوم شرعیہ کے عمیق مطالعہ کی حاجت پر زور دیتا ہے بلکہ وہ مختلف علوم —— شرعی اور غیر شرعی —— میں بادشاہ کے لیے اس قدر دسترس کو ضروری بتلاتا ہے کہ وہ ان علوم کے ماہرین سے ان کے متعلق گفتگو کر سکے تاکہ

بحث مباحثہ کے ذریعہ دقتوں اور مشکلات کا حل تلاش کیا جاسکے۔ ایک فائدہ اور بھی ہے کہ تمام علوم میں بنیادی معلومات کے ذریعہ بادشاہ درباری علماء اور شعراء کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے کیونکہ ابن طقطقی کا کہنا ہے کہ بغیر اس اعتماد کے بادشاہ کے لیے صائب مشورہ کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اسی لیے ابن طقطقی بادشاہ پر زور دیتا ہے کہ کاروبار مملکت سے وقت نکال کر ممتاز مصنفین کی کتابیں پڑھے۔ اس کے نزدیک خصوصیت کے ساتھ جن کتابوں کو زیر مطالعہ رکھنے کی ضرورت ہے وہ علم السیاست، تواریخ وسیر کی کتابیں ہیں جن میں پرانے زمانے کی عمدہ عمدہ حکایات درج ہوں۔ ان کے پڑھنے سے بادشاہ میں امور مملکت کی انجام دہی کا ملکہ پیدا ہوگا۔ ابن طقطقی کہتا ہے کہ وزراء کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ بادشاہ کو تواریخ وسوانح کی کتابوں کے مطالعے سے باز رکھیں۔ اس سلسلے میں وہ خلیفہ مکتفی کا بڑا دلچسپ واقعہ قلمبند کرتا ہے۔ مکتفی نے اپنے وزیر کو ایسی کتاب کے لانے کا حکم دیا جس میں اس کی دلبستگی کا سامان ہو اور وہ فرصت کے اوقات گزار سکے۔ وزیر نے اپنے ماتحت عملے کو ایسی کتاب فراہم کرنے کا حکم دیا اور تاکید کردی کہ بادشاہ کو کتاب دیئے جانے سے پہلے یہ کتاب اسے دکھلائی جائے۔ جب تاریخ کی کتاب کارکنوں نے لاکر وزیر کو دکھلائی تو وہ چیخ اٹھا کہ "تم لوگ میرے بدترین دشمن ہو۔ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ بادشاہ کے دل بہلانے کے لیے کوئی کتاب لاؤ تاکہ بادشاہ کی توجہ مجھ سے ہٹی رہے لیکن تم ایسی کتاب لائے جو بادشاہ کو وزیروں کی برطرفی کا طریقہ سکھلا دے گی۔ دولت حاصل کرنے، آباد اور غیر آباد شہروں میں فرق کرنے کے طریقے بتلا دے گی۔" ان علوم کی اہمیت بتلانے کے بعد ابن طقطقی علوم کی کوئی ایسی فہرست تیار کرنے کے خلاف ہے جو ہر زمانے میں قابل عمل ہو۔ وہ کہتا ہے کہ ہر زمانے اور ہر عہد میں وہ علوم جن کا جاننا بادشاہ کے لیے ضروری ہے بدلتے رہتے ہیں۔ وہ اس امر سے بحث کرتا ہے کہ ساسانیوں کے عہد میں کون سے علوم اہم تھے۔ مسلمانوں نے کن علوم پر زور دیا اور منگولوں کی توجہ کن کن علوم کی طرف مبذول تھی۔

خوف الٰہی بھی بادشاہ کے لیے ضروری ہے۔ ابن طقطقی تقویٰ کو تمام نیکیوں کی اصلی جڑ اور تمام فضائل کی کلید بتلاتا ہے اس کا کہنا ہے کہ اگر بادشاہ خدا سے ڈرتا ہے تو خلق خدا اس سے زیادہ خود کو محفوظ سمجھے گی۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور واقعہ بیان کرتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے نوکر کو کئی بار آواز دی لیکن اس نے جواب نہ دیا۔ کسی نے آپ کو بتلایا کہ وہ غلام دروازے ہی پر ہے اور وہ آپ کی آواز سنتا ہے لیکن جواب نہیں دیتا۔ جب وہ غلام حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے اس حرکت کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے جواب دیا کہ میں خود کو آپ کی سزا سے محفوظ سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کے بندے خود کو ان سے محفوظ سمجھتے ہیں۔

بادشاہ میں ایک اور صفت عفو و درگزر ہونی چاہیئے۔ ابن طقطقی کا کہنا ہے کہ اس صفت کے ذریعہ لوگوں کے دلوں کو موہ لینا ممکن ہو جاتا ہے اور قلبی جذبات کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

سخاوت بھی بادشاہ میں ہونا ضروری ہے۔ اس کے فوائد ابن طقطقی یہ گنواتا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے جذبات

پرقابو پایا جا سکتا ہے اور عمدہ مشورے کا حصول بھی بغیر سخاوت کے ممکن نہیں اور مشاہیر کی خدمات کے حاصل کرنے کا انحصار بھی فیاضی پر ہے۔

ابن طقطقی کے نزدیک جاہ وجلال بھی بادشاہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ اس رعب و دبدبے کے بل بوتے پر ملک میں نظم ونسق قائم کیا اور سلطنت کو حریفوں سے بچایا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس دبدبے کے حصول کی خاطر قدیم بادشاہ طرح طرح کی تدابیر اختیار کرتے تھے۔ شیر، چیتے اور ہاتھی باندھتے، بڑے بڑے بگل بجائے جاتے۔ جھنڈے لہراتے اور سروں پر پردے آویزاں کرتے تھے۔ یہ تمام چیزیں صرف جاہ وجلال کے پیدا کرنے کے لیے کی جاتی تھیں۔

وہ ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ بادشاہ میں تدبر کو بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اس کی اہمیت بیان کرنے میں وہ بہت زیادہ رطب اللسان ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ تدبر ہی فرمانرواؤں کا سرمایہ ہے۔ اسی کے ذریعہ خونریزی کا انسداد ہوتا ہے مال ومتاع کی حفاظت کا انحصار بھی تدبر ہی پر ہے۔ اخلاق کی عمدگی اور حوصلے کی بلندی کا حصول بھی تدبر کے ہی ذریعہ ممکن ہے تباہی اور بربادی کی روک تھام میں بھی یہی مدد دیتا ہے۔ مفسدوں اور فتنہ پردازوں کی سرکوبی بھی یہی کرتا ہے۔ خانہ جنگیوں میں لوٹ مار سے ملک کی حفاظت بھی تدبر کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

ایفائے عہد کو بھی ابن طقطقی ایک اہم وصف بتلاتا ہے۔ بادشاہ کا وعدہ پورا کرنا لوگوں کے قلبی اطمینان اور ذہنی سکون کے لیے ضروری ہے۔ اور اسی صفت کی بدولت عوام کو فرمانروا پر بھروسہ ہوتا ہے خصوصاً جب کہ کوئی خوف زدہ آدمی بادشاہ سے امان کا خواہاں ہو۔ یا صلح کرنے والا بادشاہ سے معاہدہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

یہ تو مثبت صفات تھے۔ ابن طقطقی سلبی صفات کی بھی نشاندہی کرتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہم صفت یہ ہے کہ بادشاہ میں عجلت اور جلدبازی نہ پائی جاتی ہو۔ اس کا کہنا ہے کہ جلدبازی کی وجہ سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن کا انجام ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ندامت اس وقت دامنگیر ہوتی ہے جب کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔

عجلت کے علاوہ بادشاہ میں غصہ، بیزاری اور نفرت کے جذبات نہ ہونے چاہئیں کیونکہ یہ چیزیں بادشاہ کے لیے بہت مضر ہیں اور اس کے وقار کے ختم کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

اس طرح ابن طقطقی اپنے الملک الفاضل کو اخلاق کا بہترین نمونہ دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس چیز سے بحث نہیں کرتا کہ اگر ان صفات کے حامل انسان میسر نہ ہوں تو کیا کرنا چاہیئے۔ غالباً اس کا خیال یہ تھا کہ اس قسم کے افراد کا دستیاب ہونا محال نہیں ہے۔

راعی اور رعایا کے تعلقات

ابن طقطقی غالباً پہلا اسلامی مفکر ہے جس نے راعی اور رعایا کے تعلقات سے باقاعدگی کے ساتھ بحث کی ہے اس نے فریقین کے فرائض وحقوق کی نشاندہی کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کاربار مملکت کے چلانے میں رعایا کے چند حقوق راعی

پر اور راعی کے کچھ حقوق رعایا پر عائد ہوتے ہیں اور جب تک فریقین اپنے اپنے فرائض سے عہدہ برآ نہ ہوں اس وقت تک کسی حکومت میں قیام امن و عدل اور نفاذِ قانون ممکن نہیں ہے۔ الفخری میں وہ پہلے ان فرائض کی وضاحت کرتا ہے جو راعی کی طرف سے رعایا پر عائد ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(۱) اطاعت۔ ابن طقطقی کے نزدیک بادشاہ کی اطاعت پر ہی عوام کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے اور اطاعت ہی حکمران کے بازو قوی کرتی ہے اور اسے اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ قوی سے ضعیف کے حقوق دلوا سکے اور دونوں میں انصاف قائم کر سکے۔ اطاعت ہی کی بدولت منصفانہ تقسیم ممکن ہے۔ رعایا پر اطاعت کے وجوب میں وہ قرآنی آیت اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم پیش کرتا ہے۔ اور تاریخی حقائق سے یہ ثابت کرتا ہے کہ جب بھی رعایا کی جانب سے اطاعت میں کوتاہی برتی گئی فتنہ و فساد کے دروازے کھل گئے۔ خلفائے راشدین کے زریں عہد کے بعد سے خونریزی اور شورش و بغاوت کا دور دورہ ہونے کی اصل وجہ ابن طقطقی کے نزدیک عوام کی سرکشی اور ان کا غیر مطیعانہ رویہ ہے۔

ان افکار سے واضح ہوتا ہے کہ ابن طقطقی غیر مشروط اطاعت کا حامی ہے اور کسی صورت میں بھی وہ رعایا کو یہ حق دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا ہے کہ وہ اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا الملک الفاضل جو عاقل، عادل اور عالم ہونے کے ساتھ متقی اور پرہیز گار بھی ہے جس کا شیوہ عفو و درگزر ہے اور اپنی بات کا دھنی ہے اور ظاہر ہے ایسے فرمانروا کی اطاعت غیر مشروط طور پر فرض ہونی چاہیئے۔

(۲) عزت و احترام۔ رعایا کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ بادشاہ کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور بادشاہ کی اہمیت کا اقرار کرے۔ یہ اقرار زبان اور دل دونوں سے ہو اور اس پر اس قدر عمل کیا جائے کہ عادتِ ثانیہ بن جائے۔ وہ بچوں کو بادشاہ کی عزت کرنے کی تعلیم دینے کی بھی تاکید کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ابن طقطقی بادشاہ کے ظل اللہ فی الارض ہونے کا قائل ہے اور وہ واضح طور پر بادشاہ کے آسمانی حقوق (DIVINE RIGHT OF KING) کا اعتراف تو نہیں کرتا تاہم اس نظریہ سے بہت قریب جا پہنچتا ہے۔

(۳) مشورہ۔ ابن طقطقی کے نزدیک رعایا کا یہ بھی فرض ہے کہ بادشاہ کو صائب اور صحیح مشورہ دے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے استدلال کرتا ہے کہ "دین صحیح مشورہ دینے کا نام ہے"۔ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلعم یہ مشورہ کس کے فائدے کے لیے دیا جائے تو ارشاد ہوا "اللہ اور اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے فائدے کی خاطر"۔ یہاں ابن طقطقی کاروبارِ مملکت میں رعایا کو دخل دینے کا نہ صرف حق دیتا ہے بلکہ اس پر بطور فرض کے عائد کرتا ہے کہ رعایا امورِ مملکت میں دلچسپی لے اور بادشاہ کے ساتھ تعاون کرے۔ اس طرح وہ جمہوریت سے بہت زیادہ قریب ہو گیا ہے۔

(۴) ابن طقطقی کا کہنا ہے کہ رعایا پر یہ فرض بھی ہے کہ وہ بادشاہ کی غیبت نہ کرے۔ وہ کہتا ہے کہ کوئی ایسا شخص جو اس کے بیان کردہ اوصاف کا حامل نہ ہو اور برسر اقتدار آجائے تو رعایا کو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا جب بھی اختیار نہیں ہے بلکہ وہ نازیبا اور درست کلمات بھی بادشاہ کی شان میں منہ سے نکالنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ اس دعویٰ کی دلیل میں وہ حدیث پیش کرتا ہے کہ "اپنے بادشاہوں کی برائی نہ کیا کرو کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کو ثواب ملے گا اور ان کا شکریہ ادا کرنا تم پر فرض ہے اور اگر وہ برائی کرتے ہیں تو گناہ کا بوجھ ان پر ہوگا اور تمہارا فرض صبر کرنا ہے۔ بادشاہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہیں جن کے ذریعے اللہ جس پر چاہتا ہے عذاب نازل فرماتا ہے تم اللہ کے عذاب سے پہلے جلد بازی اور غصہ سے کام نہ لو بلکہ خشوع وخضوع کے ساتھ عذاب الٰہی کے منتظر رہو۔"

بادشاہ کے فرائض

اس کے بعد وہ بادشاہ کے فرائض یا بادشاہ پر رعایا کے حقوق کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کے فرائض میں اہم ترین فرض دارالحکومت کی حفاظت، سرحدات کی نگرانی، سرحدی چوکیوں کا قیام، راستوں کو محفوظ بنانے کی تدابیر اختیار کرنا اور شرپسندوں کی روک تھام ہے۔ وہ ان فرائض کی اہمیت بیان کرنے میں بہت زیادہ زور بیان صرف کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ بادشاہ پر یہ امور اتنے ہی فرض ہیں جتنے کہ مذہبی فرائض ہیں۔ ان فرائض سے عہدہ برآ ہو سکنے ہی کے لیے رعایا پر اطاعت واجب کی گئی ہے۔

عام سلوک میں وہ رعایا کے ساتھ نرمی اور رحمدلی کے ساتھ پیش آنے کے لیے بادشاہ کو تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رعایا سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے خواہ وہ کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو تو بھی بادشاہ کا فرض ہے کہ حلم و بردباری کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دے۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے حلم کی مثال پیش کرتا ہے کہ سلطان ایک طویل بیماری کے بعد شفایاب ہوئے تو غسل کرنے کے لیے حمام گئے اس وقت ان میں نقاہت موجود تھی۔ ایک غلام سے گرم پانی مانگا تو وہ بے حد گرم پانی ایک برتن میں لایا۔ جب وہ غلام سلطان کے قریب پہنچا تو اس کے ہاتھ کانپے جس سے برتن سلطان پر گر پڑا اور ان کا جسم جل گیا لیکن وہ ایک لفظ بھی نہ بولے۔ تھوڑی دیر کے بعد اسی غلام کو ٹھنڈا پانی لانے کا حکم دیا وہ خوب ٹھنڈا پانی لایا۔ اس مرتبہ پھر ویسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ٹھنڈے پانی کا گرنا تھا کہ بادشاہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور وہ مرتے مرتے بچے۔ جب انہیں ہوش آیا تو غلام سے صرف اتنا کہا کہ تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو مجھے بتلا دو۔

بادشاہ کا اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف کو قوی کے ظلم سے بچائے اور کمزور سے کمزور شخص کے حقوق کی حفاظت کرے۔ قانون کو بلا امتیاز نافذ کرنا، ستم رسیدہ کی امداد کرنا۔ فریادیوں کی فریاد پر لبیک کہنا بھی وہ بادشاہ کا فرض بتلاتا ہے۔ انصاف کے سلسلے میں قریب و دور، اپنے اور بیگانے، ادنیٰ اور اعلیٰ میں فرق نہ کرنے کی بادشاہ کو تاکید کرتا ہے۔

وہ بادشاہ کا فرض یہ بھی بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کا شکر ادا کرتا رہے جس نے اسے اپنی تمام

مخلوقات میں اعلیٰ درجہ دیا۔ حتیٰ کہ دوسرے اس سے ڈرتے ہیں لیکن وہ خود کسی سے نہیں ڈرتا۔ ابن طقطقی کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے اس کرم کو یاد رکھے اور اکثر اس کا ذکر کر کے شکر ادا کرتا رہے۔ اس طریقے سے دو فائدے حاصل ہوں گے ایک کبر و نخوت سے محفوظ رہے گا اور پھر اللہ تعالیٰ حسب وعدہ اس کے مرتبے میں اضافہ بھی کرے گا۔ وہ خود فرماتا ہے کہ لئن شکرتم لازیدنکم۔ اس کے لیے وہ طریقہ کار بھی بتلاتا ہے کہ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مشغول رہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ وہ بادشاہ کے لیے ایک خاص دعا بھی بتلاتا ہے جو دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے بادشاہ کے لیے یہ دعا لکھی اس سے پہلے کسی کا بھی ذہن اس طرف نہیں گیا۔

نظم و نسق

ابن طقطقی پانچ قسم کے نظم و نسق کا ذکر کرتا ہے۔ اول تدبیر منزل۔ دوم دیہی نظام۔ سوم شہری انتظام۔ چہارم فوجی نظام اور پنجم ملکی نظام۔ اس کے نزدیک کسی شخص کے ایک نظام میں ماہر ہونے سے اس کو دوسرے میں بھی ماہر خیال کرنا سراسر غلطی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ قدیم خیال ہے کہ جو شخص گھریلو انتظام میں ماہر ہے وہ دیہی نظم کو بھی بحسن و خوبی قائم رکھ سکتا ہے اور جو دیہی نظم میں ید طولیٰ رکھتا ہے وہ شہری انتظام میں بھی بہتر ہوگا اور جو شہر کا انتظام اچھا کر سکتا ہے وہ فوج پر بھی اچھی طرح قابو رکھ سکتا ہے اور جو فوجی انتظام میں مہارت رکھتا ہے وہ ملک کا نظم و نسق بھی بہتر طریقے پر چلا سکتا ہے، یہ غلط ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دنیا میں بہت سے ایسے آدمی ملتے ہیں جو خانگی امور میں بڑے ماہر ہیں لیکن ملک رانی کی صلاحیت ان میں مفقود ہے اور بہت سے ایسے بادشاہ گزرے ہیں جو امور مملکت کی انجام دہی میں بڑی شہرت کے مالک ہیں لیکن ان کا اپنا گھریلو نظام ہمیشہ ابتر رہا۔ وہ کہتا ہے کہ سیاست مدن کا انحصار چند چیزوں پر ہے ایک تلوار اور دوسری قلم۔ تلوار سے ملک کی حفاظت ہوتی ہے اور قلم سے نظم و نسق قائم ہوتا ہے پرانی بحث کہ سیف و قلم میں کون زیادہ اہم ہے اس طرح سے فیصلہ کرتا ہے کہ دونوں لازم ملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرا نامکمل رہ جاتا ہے۔

نظم و نسق کو اعلیٰ طریقے سے قائم کرنے کے لیے ابن طقطقی کے نزدیک چند چیزیں ضروری ہیں۔ سخاوت تاکہ ملک زرخیز رہے۔ انصاف تاکہ ملک آباد رہے۔ فہم و فراست کے ذریعہ سلطنت حاصل کی جاتی ہے۔ جرأت کے بل بوتے پر اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ سیادت کے ذریعہ انتظام کیا جاتا ہے۔

رعایا سے برتاؤ

وہ ملکی نظام کے سلسلے میں سب کو ایک لاٹھی سے ہنکانے کا قائل نہیں ہے۔ بلکہ وہ مختلف طبقے کے لوگوں کے ساتھ مختلف رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ وہ اعلیٰ طبقے کے ساتھ شریفانہ اور نرم دلانہ سلوک روا

رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہی طبقہ بہت اہم ہے اور اس کو رام کرنا بادشاہ کے لیے ضروری ہے جس کے بغیر کاروبار مملکت کی انجام دہی ممکن نہیں۔ متوسط طبقے کے ساتھ نرمی اور گرمی دونوں ضروری ہیں۔ بادشاہ کو ان کو امید بھی دلائے تاکہ وہ بالکل مایوس نہ ہو جائیں اور ان کو خوفزدہ بھی رکھے تاکہ فتنہ و فساد برپا نہ کر سکیں اور ادنیٰ طبقے کے بارے میں اس کا مشورہ ہے کہ انہیں ڈرا دھمکا کر سیدھی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کرنا چاہیئے۔ اس کی رائے میں راعی اور رعایا کے تعلقات کی نوعیت وہی ہے جو مریض اور معالج کی ہوتی ہے۔ اگر مریض جسمانی اعتبار سے نازک ہے تو معالج اسے خوش ذائقہ اور میٹھی ادویات دیتا ہے اور ہر ممکن طریقے سے اس کی صحت مندی کے لیے بالواسطہ کوشش کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر مریض جسمانی اعتبار سے سخت ہے اور اس کی ساخت بھی اچھی ہے تو معالج لامحالہ اسے ترش و تیز ادویات دے کر بلاواسطہ اس کا علاج کرتا ہے۔

ابن طقطقی ادنیٰ طبقے کے ساتھ سختی کرنے کا مشورہ دیتا ہے لیکن وہ ضرورت سے زیادہ سختی کی اجازت کسی حالت میں نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے کہ "بادشاہ کو چاہیئے کہ ایسے شخص کو جسے سرد مہری یا پیشانی کی شکن سے ٹھیک کیا جا سکے تو اسے دھمکی نہ دے اور جسے صرف دھمکی ہی راہِ راست پر لگا دے تو اسے قید و بند کی صعوبت میں ڈالنا قرین عقل نہیں ہے اور جسے قید کرنا کافی ہو اسے درے لگوانا مناسب نہیں اور جسے درے ٹھیک کر سکیں اس کو قتل کرنا عقلمندی نہیں۔" کون شخص کس قسم کے سلوک کا مستحق ہے اس کے معلوم کرنے کے لیے بہت سمجھ اور تمیز اور واضح غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اسی لیے جملہ سزاؤں میں وہ قتل میں بہت احتیاط برتنے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ قتل کی سزا دینے سے پہلے تمام پہلوؤں پر اچھی طرح غور و خوض کر لینا نہایت ضروری ہے اور جب تک قتل کرنے کی اشد ضرورت واضح نہ ہو جائے اس سزا کے جاری کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہیئے کیونکہ یہی ایک ایسی سزا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے اور بعد میں ندامت و پشیمانی بے سود ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ابن طقطقی قتل کرنے میں آسان ترین طریقہ اختیار کرنے کا بھی مشورہ دیتا ہے۔ غیر ضروری عذاب دینا یا مثلہ (ناک کان کاٹنا) کا وہ شدید مخالف ہے۔ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل کرتا ہے جن میں آپ نے فرمایا کہ کاٹنے والے کتے کا بھی مثلہ نہ کرو۔ وہ خلفاء و سلاطین کا طرز عمل بتلاتا ہے کہ نامور افراد کو قتل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ انہیں قید خانہ میں اس خیال سے ڈال دیتے تھے کہ شاید آگے چل کر ان کی ضرورت پڑے اور عوام میں ان کے قتل کی شہرت ہو جاتی تھی۔ ان کو مزید باور کرانے کے لیے ان کی جائداد ضبط کر لی جاتی لیکن جوں ہی ان کی خدمات کی ضرورت محسوس ہوتی انہیں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ قید خانے سے باہر نکالا جاتا تھا۔ بادشاہ کو محض شہرت و ناموری اور اپنی قوت و سختی کے مظاہرے کے خیال سے کسی کو قتل کرانا بھی ابن طقطقی کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ بتلاتا ہے کہ جن فرمانرواؤں کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ لوگوں کو مرعوب کرنے کی غرض سے کسی کو بغیر سوچے سمجھے قتل کرا دیتے تو وہ قتل کے مضر اثرات سے خود بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ بایں ہمہ اگر بادشاہ نہایت غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ قتل کے سوا

اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور اصلاح کے تمام راستے بند ہیں تو اس ناخوشگوار فرض کی ادائیگی میں نہایت ثبات اور اولوالعزمی سے کام لے اور کسی قسم کی ہچکچاہٹ یا پس و پیش اس کے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے سے باز نہ رکھے۔ کیونکہ ایک شخص کو قتل کر دینا زیادہ بہتر ہے کہ اسے آزاد چھوڑ کر حالات اس قدر خراب کر دیئے جائیں کہ پانچ آدمیوں کو قتل کرانا پڑے اور پانچ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ رفتہ رفتہ حالات بے قابو ہو جائیں اور سو آدمیوں کو قتل کئے بغیر اصلاح ممکن نہ رہے۔

قتل کے علاوہ دیگر سزاؤں کے متعلق بھی ابن طقطقی نہایت واضح خیالات کا مالک ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ کامل حکمران کے لیے بیحد ضروری ہے کہ سزاؤں کی مختلف قسموں کو مدنظر رکھے اور حسب ضرورت ان میں سے سزا دے کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سختی کے باعث جانیں تلف ہو گئی ہیں اگرچہ ان سزاؤں کا مقصد قتل ہرگز نہ تھا۔ وہ آگ میں ڈلوانے کا شدید مخالف ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ بذریعہ آگ عذاب دینے کا حق بجز باری تعالیٰ کے کسی کو حاصل نہیں ہے۔

سزاؤں کے سلسلے میں بے حد احتیاط برتنے کی ابن طقطقی بار بار تاکید کرتا ہے البتہ وہ کوئی ایسی فہرست مہیا نہیں کرتا جس میں جرم اور سزاؤں کی تفصیل درج ہو بلکہ اس کو ہر زمانے کے بادشاہ کے صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ اپنے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر سزاؤں کو منتخب کریں تاہم وہ کہتا ہے کہ اصولی طور پر بادشاہ کو عقوبت سے متنفر ہونا چاہیئے۔ وہ کسی حال میں بھی لوگوں کو سزا دے کر خوشی محسوس نہ کرے اور اس سے بھی بڑھ کر سزائیں مملکت کے مصالح کے پیش نظر دی جانی چاہئیں جس میں ذاتی دشمنی اور بغض کو دخل نہ ہو۔ سزا دے کر اپنے غصہ کی آگ بجھانا مقصود نہ ہو۔ وہ اپنے اس خیال کی وضاحت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور واقعہ بیان کرتا ہے جس میں آپ نے دشمن کو زیر کرنے کے باوجود اسے رہا کر دیا تھا کیونکہ جب آپ نے اس کا سر تن سے جدا کرنے کا قصد فرمایا تو دشمن نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو ارشاد ہوا "اس نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اور میں اپنے غصہ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا میں صرف اللہ کی رضا کے لیے کسی کو سزا دینا چاہتا ہوں۔"

وہ سزا سے صرف اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح وہ نظریۂ اصلاح (REFORMATIVE THEORY OF PUNISHMENT) میں عقیدہ رکھتا ہے اسی لیے اس نے صرف سزا نہیں بلکہ انعامات دیئے جانے کی بھی سفارش کی ہے۔ اس سلسلے میں انعام کی ضرورت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور بیان صرف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک جتنا عوام کو خوف سے لرزہ براندام رکھنے کی ضرورت ہے اتنی ہی ان کے دلوں میں انعام و اکرام کی توقع کا پیدا کرنا بھی لازمی ہے۔

فوج

ابن طقطقی فوجی نظام، فوجی سربراہ کی صفات نیز فوجیوں کی تنخواہ کے متعلق نہایت واضح افکار رکھتا ہے۔ اس سلسلے

میں فوج کی ضرورت کی بھی اس نے وضاحت کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کا جاہ و جلال اور ذاتی رعب و داب شرپسند عناصر اور فتنہ پرداز لوگوں کے خاتمہ کے لیے ناکافی ہے اس لیے اسے مفسدین کی سرکوبی کے لیے ایک فوج کی ضرورت پیش آتی ہے۔

وہ دشمنوں کی دو قسمیں بتلاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مختلف سلوک روا رکھنے کی ہدایت دیتا ہے۔ دشمنوں کی پہلی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو تمہیں نقصان پہنچائیں اور دوسری قسم کے دشمن وہ ہیں جنہیں تم نے خود نقصان پہنچایا ہو۔ اس کی رائے میں یہ دوسری قسم بہت خطرناک ہوتی ہے۔ وہ تاکید کرتا ہے کہ ایسے دشمنوں پر کسی حالت میں بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور ہر وقت ان کی طرف سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن پہلی قسم کے دشمنوں سے بے خوف رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ ایسے لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی اپنی بدسلوکی پر پشیمان ہوں اور تمہارے نقصان کی تلافی کسی عمدہ کام کے ذریعے کر دیں۔ اور بالفرض وہ اپنی دشمنی سے باز نہ بھی آئیں گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا معاون و مددگار ہوگا اور اس کا فیصلہ مظلوم ہونے کی وجہ سے تمہارے حق میں ہوگا۔

ابن طقطقی دشمن کے وجود کو سراسر نقصان کا باعث نہیں بتلاتا۔ اس کا کہنا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن کی ذات سے فائدہ پہنچتا ہے اور دوست نقصان کا باعث بنتا ہے۔ وہ اصلاحِ نفس اور اپنی کمزوری سے واقفیت کے لیے دشمن کے وجود کو لازمی بتلاتا ہے۔ وہ سکندر اعظم کا مقولہ نقل کرتا ہے کہ میرے دشمنوں نے دوستوں سے زیادہ مدد کی۔ کیونکہ دشمنوں نے میری عیب جوئی کی اور مجھے میرے عیوب سے آگاہ کیا اور میں اس قابل ہو سکا کہ اپنی اصلاح کر سکوں۔ لیکن میرے دوستوں نے میرے عیوب کو خوشنما بنا کر دکھایا بلکہ اس کے ارتکاب میں میری ہمت افزائی کی۔

وہ دشمنوں کے خلاف فوج کشی کرنے میں جلد بازی سے کام لینے کا مخالف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دشمن کو انعام و اکرام کے ذریعہ اپنا گرویدہ بنالینا چاہیئے کیونکہ سلطنت کی وسعت اور خوش حالی کا دارومدار دشمنوں کو دوست بنا لینے پر ہے۔ اگر تم دشمن کے مقابلے پر خود کو کمزور سمجھو تو عاجزی اور تواضع سے کام لینا چاہیئے کیونکہ یہ ایسے ہتھیار ہیں جن کا مقابلہ کرنا مشکل ہے جس طرح ہری شاخ کو بڑے سے بڑا طوفان توڑ نہیں سکتا کیونکہ جس طرف ہوا کا رُخ ہوتا ہے شاخ اسی طرف جُھک جاتی ہے۔ تیرھویں صدی میں منگولی حملوں نے اسی قسم کی حکمتِ عملی پر کاربند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر ابن طقطقی طاقت کے مقابلے میں ہتھیار ڈال دینے کی تلقین کرتا ہے تو ہمیں نہ ہی تعجب کرنا چاہیئے اور نہ ناک بھوں چڑھانی چاہیئے کیونکہ اس زمانے میں مشرقی باشندوں کے حوصلے ہی اس قدر پست ہو گئے تھے کہ فروتنی، خاکساری اور عاجزی کا شمار اعلیٰ اخلاق میں ہونے لگا تھا۔

ابن طقطقی کے نزدیک خود کو دشمن کے مقابلے پر کمزور سمجھنے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن دشمن کو حقیر و ضعیف سمجھنے

کا نتیجہ مہلک ہوتا ہے۔ وہ مشیروں کو بھی تاکید کرتا ہے کہ بادشاہ کے سامنے دشمن کو کمزور نہ ظاہر کریں اور نہ ہی اس کی کمزوری اور بے سروسامانی کا پروپیگنڈا کریں کیونکہ اگر ایسی صورت میں بادشاہ دشمن کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہوگیا تو یہ کوئی خاص کارنامہ نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ لوگ بادشاہ کے مقابلے میں دشمن کو ہیچ سمجھتے ہوں گے۔ لیکن اگر دشمن ہی غالب آگیا تو بڑی بدنامی کی بات ہوگی کیونکہ لوگ کہیں گے کہ ایک حقیر شخص نے بادشاہ کو شکست دے دی جس سے بادشاہ کے رعب و وقار کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ اس طرح نہ تو دل میں دشمن کو حقیر سمجھنا چاہیئے اور نہ ہی اس کی کمزوری کا پرچار کرنا مناسب ہے اس موقع پر وہ کسی ہندی حکیم کا قول پیش کرتا ہے کہ دشمن کتنا ہی کمزور ہو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ دھاگوں کو ملا کر بٹ لیا جائے تو اس سے ایسی رسّی تیار ہوسکتی ہے جس سے مست ہاتھی بھی جکڑا جاسکتا ہے۔

دشمن کے خلاف فوجی کاروائی کیئے جانے کی ابن طقطقی اس وقت تک اجازت نہیں دیتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا ہے اس لیے جنگ بالکل آخری علاج کے طور پر لڑی جانی چاہیئے اسی لیے وہ جنگ کی آگ میں کودنے سے پہلے بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ تمام پہلوؤں اور نتائج کو خوب اچھی طرح سمجھ لے۔ احسان واکرام کا اثر دشمن پر خاطر خواہ نہ ہو تو پھر اسے بہلانے پھسلانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اور یہ تدبیر بھی کارآمد نہ ہو اور دشمن اپنی دشمنی سے باز نہ آئے تو اس وقت اس کی حیثیت مظلوم کی ہوگی اور مظلوم کی مدد کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے ایسی صورت میں بادشاہ کی کامیابی میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے۔ جنگ کرنے میں جلد بازی بہت مہلک ہے وہ عربی ضرب المثل پیش کرتا ہے کہ جو جلد بازی کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وہ گر پڑنے سے محفوظ نہیں رہتا۔

ابن طقطقی بادشاہ کو اپنی فوجی قوت پر ناز کرنے سے منع کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دنیا میں نشیب و فراز آتے جاتے رہتے ہیں اور جنگ میں کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار قوت اور ضعف پر نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کمزور فتح یاب ہوگئے اور بڑے بڑے طاقتوروں کو منہ کی کھانی پڑی۔ خیر کا ہر شخص طالب ہے اور شر سے ہر ذی ہوش پناہ مانگتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ خیر سے شر پیدا ہوگیا ہے اور شر سے خیر وجود میں آگیا۔ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے عسٰی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

فوجیوں کی تنخواہ کے متعلق ابن طقطقی کا خیال ہے کہ اس میں اعتدال خاص طور پر ملحوظ رہنا چاہیئے۔ معمولی سی افراط یا تفریط مہلک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ اگر فوج کو ضرورت سے زائد تنخواہ دے گا تو ایسی صورت میں فوج بادشاہ سے بے نیاز ہو کر حکم عدولی کرسکتی ہے اور اتنی کم بھی تنخواہ نہ دی جانی چاہیئے کہ فوجی بادشاہ سے بیزار ہو جائیں اور دشمن کے بجائے بادشاہ ہی کو نشانہ بنا ڈالیں۔ وہ اس سلسلے میں ابو جعفر منصور کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہے۔ منصور بڑا بخیل تھا وہ عہدیداروں کو کم معاوضہ دیئے جانے کے جواز میں کہا کرتا تھا کہ "کتے کو بھوکا رکھو تاکہ وہ تمہارا ساتھ نہ چھوڑے"۔ ایک دن ایک ندیم نے کہہ ہی دیا کہ "بھوکے کتے کو کوئی اور شخص روٹی کا ٹکڑا دکھا دے گا تو وہ

اس کے پیچھے ہو لے گا۔"

ابن طقطقی بادشاہ کو تاکید کرتا ہے کہ وہ فوج کو قابو میں رکھنے کا خاص اہتمام کرے۔ اس کا کہنا ہے کہ جس طرح دوا کا پینا آسان ہے لیکن پرہیز کرنا اور اس کے دیگر لوازمات کی پابندی کرنا مشکل ہے بالکل اسی طرح فوج کا بھرتی کر لینا چنداں مشکل کام نہیں البتہ اس کو قابو میں رکھنا اور فوجیوں کو خوش اور مطمئن کرنا ٹیڑھی کھیر ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ کسی بڑی خوبیوں والے کمانڈر کی نگرانی میں شاہی فوج رہے۔ کیونکہ اگر فوج کی صحیح طریقے سے نگہداشت نہ کی جائے تو وہ بجائے مفید ہونے کے مہلک ثابت ہوگی۔

ابن طقطقی کمانڈر کے صفات بھی بتلاتا ہے وہ دس جانوروں کی دس صفتوں کو فوجی افسر میں مجتمع دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ ایک ترکی عاقل کی زبانی اپنے خیالات کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کمانڈر میں شیر کی شجاعت، سور کی طرح حملہ کرنے کی قوت، لومڑی کی چالاکی اور عیاری، کتے کا سا تحمل و برداشت، بھیڑیئے کی رغاکی اور خونخواری، کلنگ کی طرح چالاکی اور بیدار مغزی، مرغے کی سخاوت و فیاضی، مرغی کی اپنے چوزوں کے لیے شفقت و رافت، کوّے کی طرح چوکنا پن تاغرو (خراسان کا ایک پرندہ ہے) کی صحت مندی اور طاقت جمع ہونی چاہیئے تاکہ وہ اپنے فرائض معوضہ آسانی سے انجام دے سکے اور فوج کو محکوم اور دشمن کو مغلوب کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

ابن طقطقی سربراہ مملکت کو کچھ امور کی انجام دہی کے لیے پرزور تاکید کرتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر کو اس نے بادشاہ کے اوصاف اور فرائض میں بیان کر دیا ہے لیکن مزید وضاحت کے خیال سے اس نے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنے کا مشورہ دیا ہے:

شوریٰ

مصنف الفخری کے نزدیک بادشاہ کے لیے مشورہ کرنا نہایت اہم چیز ہے۔ قرآن و حدیث کے ذریعہ اس کی اہمیت واضح کرنے کے بعد وہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو صرف اپنی عقل پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں عاقل و دانا لوگوں سے مشورہ کیئے بغیر کوئی اقدام کرنا اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ وہ مشیروں کے اوصاف کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اس ذمہ دار عہدے پر وہی لوگ فائز ہو سکتے ہیں جن میں فہم و ذہانت، وسیع القلبی و زود فہمی کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوں۔ اور ساتھ ہی وہ سیاست میں بھی مہارت رکھتے ہوں۔ اس کا کہنا ہے کہ ان صفات سے متصف افراد کی قدردانی کرنی چاہیئے اور ان کا احترام کرنے میں بادشاہ اپنی کسرِ شان محسوس نہ کرے اور ان کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرے جس کے ذریعہ سے ان لوگوں کی وفاداری یقینی ہو جائے تاکہ وہ صائب مشورہ دیں اور ان کے مشوروں میں خلوص بکار فرما ہو۔ کیونکہ زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر مشورہ حاصل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صائب مشورے خیر اندیشی کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں اور خیر اندیشی کو جبر سے کوئی واسطہ نہیں۔

ابن طقطقی بادشاہ پر لازمی قرار نہیں دیتا کہ وہ مشیروں کے مشورے کے مطابق عمل بھی کرے اور وہ جو مشورے دیں انہیں آنکھ بند کر کے قبول کرلے اگرچہ یہ مشیر نہایت اعلیٰ صفات کے حامل ہیں لیکن بادشاہ ان سے بھی عمدہ صفات کا مالک ہے۔ اس لیے وہ بادشاہ کو تاکید کرتا ہے کہ مشیروں کے دیئے ہوئے مشوروں کو خواہ متفقہ ہی ہوں اپنی عقل سلیم کی کسوٹی پر بار بار پرکھے اور مشیرانِ حکومت کے باہمی اختلاف رائے کی صورت میں تو وہ بادشاہ پر فرض قرار دیتا ہے کہ ان کے متعلق خوب غور و خوض کرنے کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچے۔ شوریٰ کی اہمیت کے باوجود وہ بادشاہ سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ سُنے تو سب کی لیکن کرے اپنی جیسی۔

اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ ابن طقطقی شوریٰ کے ذریعہ جمہوری نظام کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ ہلاکو کی اولاد کے مداح اور خود سر آمروں کے حاشیہ نشین سے اس چیز کی توقع رکھنا عبث ہے۔ اس کے نزدیک حکمرانی میں کسی کو شریک کرنا موجب ہلاکت ہے البتہ اپنے مشیروں کی بات سُن لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ سیاست میں دو چیزیں بہت اہم ہیں۔ ان میں سے ایک تو بلا شرکتِ غیرے بادشاہ کے انجام دینے کی ہے البتہ دوسری میں کسی اور کو شریک کئے بغیر کام چلنا محال ہے۔ پہلا کام حکمرانی کا ہے جس میں اگر کسی کو شریک کیا گیا تو تباہی یقینی ہے اور دوسری چیز مشورہ ہے۔ اگر مناسب افراد سے کسی امر میں مشورہ لیا گیا تو صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے امکانات روشن ہو جاتے ہیں۔

ابن طقطقی مشیر اور مستشار دونوں کو جلد بازی سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ مشیروں سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر خوب اچھی طرح غور کئے بغیر کوئی مشورہ نہ دیں گے۔ اس نے کسی حکیم کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک حکیم سے کسی معاملے میں مشورہ طلب کیا گیا لیکن وہ سن کر خاموش رہا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں ہیں بولتے کیوں نہیں؟" اس حکیم نے جواب دیا "میں روٹی اس وقت تک نہیں کھاتا جب تک کہ وہ باسی نہ ہو جائے۔"

الفخری کا مصنف صحیح مشورے حاصل کرنے کی تدابیر بھی بتلاتا ہے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ مشیر کو جب تک قلبی سکون اور اطمینان حاصل نہ ہو اور ہر قسم کے تفکر و تردد سے اس کا ذہن آزاد نہ ہو اس وقت تک مشورہ نہ لے۔ اسی طرح بھوک اور پیاس کی حالت میں کسی سے مشورہ طلب کرنا مناسب نہیں۔ ایسے ہی قیدی کی رہائی سے قبل رائے پوچھنا یا غرض مند کی مطلب برآری سے پہلے مشورہ طلب کرنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ جسمانی تکالیف میں مبتلا شخص بھی ابن طقطقی کے نزدیک صائب مشورہ دینے سے معذور ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ تھکا ماندہ یا گم کردہ راہ سے رائے طلب کرنے سے منع کرتا ہے۔

اخفائے راز

امور مملکت کی انجام دہی کے سلسلے میں اخفائے راز بہت اہمیت رکھتا ہے۔ سلطنت کی بقا کا دارو مدار ہی سلطنت کے راز کے فاش نہ ہونے پر ہے۔ ابن طقطقی کہتا ہے کہ بے شمار حکومتیں صرف اس لیے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں کہ اس کا

کوئی راز ظاہر ہوگیا اور حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ سینکڑوں افراد موت کی نیند سو گئے۔ اسی لیے وہ فرمانروا کو مشورہ دیتا ہے کہ رازوں کے سلسلے میں نہایت محتاط رہے۔ حتیٰ کہ معتمد لوگوں کے کانوں میں بھی اس کی بھنک نہ پڑنے دے کیونکہ جب راز ایک شخص کے سینے سے نکل کر دوسرے تک پہنچ جاتا ہے تو اس کا پوشیدہ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ابن طقطقی اس سلسلے میں عمرو بن العاص کا قول نقل کرتا ہے کہ اگر میرا دوست میرے کسی راز کو فاش کر دے تو میں اسے موردِ الزام نہیں ٹھہراتا کیونکہ اس غلطی کا آغاز میری طرف سے ہوا ہے۔

ابن طقطقی کو اس امر کا احساس ہے کہ سلطنت کے خفیہ معاملات اگر صرف بادشاہ تک ہی رہیں تو پھر شوریٰ ناقابلِ عمل بن کر رہ جاتا ہے اسی لیے اس کا کہنا ہے کہ اگر بادشاہ کسی کو راز بتلانے پر مجبور ہو جائے تو ایک سے زیادہ سے ہرگز نہ کہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں راز فاش ہوا تو وہ شخص جسے بتلایا گیا ہے اس کا ذمہ دار ہوگا اور اسے سزا دینا ممکن ہوگا برخلاف اس کے اگر ایک سے زیادہ اشخاص سے خفیہ باتیں بتلا دی گئیں تو اس کے افشا ہونے کی صورت میں ایک شخص دوسرے پر الزام دھرے گا اور صحیح مجرم کا پتہ لگانا تقریباً ناممکن ہوگا۔ اگر سب کو سزا دی گئی تو اس نامعلوم مجرم کے سوا سب پر ظلم ہوگا اور اگر کسی کو بھی سزا نہ دی گئی تو لوگ ارتکابِ جرم میں جری ہو جائیں گے اور سلطنت کا کوئی راز بھی پوشیدہ نہ رہ سکے گا۔ وہ مزید کہتا ہے کہ اگر ایسی مجبوری درپیش ہو کہ ایک سے زیادہ آدمیوں کو راز سے آگاہ کیا جائے تو اس کی بہترین صورت یہ ہوگی بادشاہ ہر ایک کو الگ الگ تخلیہ میں بلا کر بتلائے اور ہر ایک پر یہی ظاہر کرے کہ اس راز سے اس کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہے۔ ابن طقطقی کا دعویٰ ہے کہ اس قسم کی احتیاط سے افشائے راز کے احتمالات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں بتلاتا کہ ان احتیاطی تدابیر کے اختیار کر لینے کے باوجود راز عیاں ہو جائے تو اس کی ذمہ داری کن لوگوں پر عائد ہوگی اور کون لوگ سزا کے مستوجب ہوں گے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بھی وہی دقت پیش آئے گی کہ سب کو سزا دینے میں ظلم ہوگا اور کسی سے بھی بازپرس نہ کرنے میں سلطنت تباہ ہو جائے گی۔

فیاضی

ابن طقطقی کی رائے میں بادشاہ کا فیاض ہونا بے حد ضروری ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جو بادشاہ ہوگا وہ کامیاب اور مقبول نہیں ہو سکتا۔ خواہ دوسری صفات کتنی ہی زیادہ اس میں کیوں نہ موجود ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ تمام حکمرانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ملک کی اہم شخصیتوں کو زرپاشی کے ذریعہ اپنا غلام بنا لیتے تھے۔ وہ خاص طور پر امیر معاویہ کا ذکر کرتا ہے کہ انہوں نے بیت المال کا روپیہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بے دریغ خرچ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قریبی رشتہ دار آپ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے پاس پہنچ گئے اور حد یہ ہو گئی کہ آپ کے حقیقی بھائی عقیل بھی معاویہ سے جا ملے۔ اسی ایک صفت نے معاویہ کو پوری اسلامی حکومت کا واحد حکمران بنا دیا اور وہ اپنے خاندان کی موروثی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قوت

الفخری کے مصنف کے نزدیک بادشاہ کا قوی ہونا بہت ضروری ہے۔ زوالِ بغداد کے بعد سیاسی افکار میں جہاں حقیقت پسندانہ رجحانات پیدا ہو گئے وہاں نظریۂ جبریت (POWER STATE) نے بھی غلبہ حاصل کر لیا جس کی بہترین مثال ابن خلدون ہے۔ ابن طقطقی اگرچہ قوت کے سلسلے میں ابن خلدون تک تو نہیں پہنچ سکا تاہم وہ قوت کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے ظالم لیکن قوی بادشاہ کو عادل ضعیف پر ترجیح دی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قوی اور ظالم بادشاہ رعایا کے لیے تنہا ہی تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ لیکن اس کی قوت کے سامنے دوسروں میں یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کی رعایا کو پریشان کریں۔ اس طرح رعایا ایک کا ظلم برداشت کر لینے کے بعد بہت سوں کے مظالم سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے ضعیف و عادل بادشاہ کے ہاتھوں رعایا کو تکلیف تو نہیں پہنچتی لیکن بے شمار دوسرے لوگ عوام کی زندگی کو اجیرن بنا کے رکھ دیتے ہیں۔ منگولی حملوں کا یہ اثر تھا کہ لوگ قوت کی اہمیت سے واقف ہو گئے تھے کیونکہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا تھا کہ بادشاہوں کے دیگر اوصاف انہیں ان وحشیوں کے حملوں سے نہ بچا سکے۔

ابن طقطقی بادشاہ کو ایسی چیزوں میں محو دیکھنا پسند نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ کاروبارِ مملکت سے غافل ہو جائے اس سلسلے میں وہ عورت اور کھیل کود کا خاص طور پر تذکرہ کرتا ہے۔ سیر و شکار کی اجازت بلکہ ترغیب دیتا ہے لیکن بہت زیادہ اس میں وقت صرف کرنے سے منع کرتا ہے۔

عورت اور امورِ مملکت

ابن طقطقی بھی نظام الملک کی طرح امورِ مملکت میں عورتوں کی دخل اندازی کو برداشت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ بادشاہ کو تاکید کرتا ہے کہ جنسِ لطیف کی طرف بہت زیادہ مائل نہ ہو جائے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ ان کی محفلوں میں نہ گزارے۔ وہ بادشاہ کو عورتوں سے مشورہ لینے سے بھی منع کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کا عورتوں سے مشورہ لینا اپنی نااہلیت کا اظہار کرنا اور بدنظمی کی دعوت دینا ہے اور اپنی قوتِ فیصلہ کے ضعف کا اعلان کرنا ہے۔ البتہ وہ صرف ایک صورت میں عورتوں سے مشورہ کرنے کا حامی ہے جب کہ اس سے مقصد ان کی رائے کے خلاف عمل کرنا ہو۔ اپنے اس خیال کی تائید میں وہ شاوِرُوهُن وخالفوهُن کی حدیث پیش کرتا ہے۔ اس لیے اس کا کہنا ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے کوئی پیچیدہ مسئلہ آ جائے اور وہ کسی نتیجہ پر پہنچنے میں دقت محسوس کرے تو اسے چاہیئے کہ عورتوں سے مشورہ کرے اور وہ کچھ بھی مشورہ دیں اس کے الٹا کرے کیونکہ سچائی ہمیشہ ان کی رائے کے خلاف ہوتی ہے۔

سیر و شکار

ابن طقطقی بادشاہ کے سیر و شکار میں دلچسپی لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ بشرطیکہ اس شغل میں بہت زیادہ وقت صرف نہ کیا جائے اور اس میں دولت نہ لٹائی جائے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ سیر و شکار سے بادشاہ کو بڑے فائدے پہنچتے

ہیں اس کے ذریعے فوجی مشق اور فوجی کمان کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔ شہسواری کا فن بھی شکار کے بہانے آجاتا ہے۔ تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مہارت پیدا ہو جاتی ہے۔ قتل اور خونریزی کے مناظر سے گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ گھوڑوں کی صلاحیت کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کون سا گھوڑا تیز رفتار ہے اور موقع پڑنے پر صبر و استقامت کے ساتھ دور تک بھاگ سکتا ہے۔ پھر شکار سے ایک اور بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ جسمانی ورزش کا ایک عمدہ ذریعہ ہے جس سے معدہ کے فعل میں عمدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ابن طقطقی شکار کا ایک نہایت دلچسپ فائدہ بتلاتا ہے وہ یہ کہ شکار کے ذریعے ہرن کا گوشت دستیاب ہوتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہرن کا گوشت دیگر جانوروں کے گوشت کے مقابلہ میں زیادہ مفید ہوتا ہے کیونکہ وہ درندوں کے خوف سے ہر وقت بھاگتا رہتا ہے اور اس دوڑ دھوپ کے باعث اس میں خاص قسم کی گرمی پیدا ہو جاتی ہے جو انسان کی جسمانی صحت کے لیے بے حد مفید ہے۔ کیونکہ اس سے حدت پیدا ہوتی ہے۔ ان فوائد کے علاوہ شکار تفنن طبع اور سیر و تفریح کے سامان مہیا کرتا ہے اور اس کے دوران میں آئے دن عجیب و غریب اتفاقات پیش آتے ہیں وہ بھی بادشاہ کے حق میں بہت مفید ہوتے ہیں۔

لہو و لعب

ابن طقطقی نے شکار میں بہت سے فائدے ڈھونڈ لیے ہیں لیکن وہ لہو و لعب اور عیاشی کا شدید مخالف ہے۔ اس کی وجہ وہی قوت ہے جس پر اس کے زمانے میں سلطنت کا انحصار تھا۔ شکار قوت کے لیے مفید ہے لیکن عیاشی اس نقطۂ نظر سے بیحد مضر ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو کھیل کود کی طرف قطعاً مائل نہ ہونا چاہیئے اس کا دعویٰ ہے کہ دنیا کی تمام حکومتیں اسی ایک وجہ سے تباہ و برباد ہوگئیں۔ وہ کہتا ہے کہ خوارزم شاہی حکومت کا خاتمہ تمامتر جلال الدین خوارزم شاہ کی شراب نوشی کا نتیجہ ہے اس نے شراب اس وقت بھی نہیں چھوڑی جب کہ منگول ایک شہر سے دوسرے تک اس کا تعاقب کر رہے تھے حتیٰ کہ جس جگہ سے وہ صبح کے وقت کوچ کرتا شام کو وہاں مغل فوج پہنچ جاتی تھی۔ شراب خوری کے ساتھ ساتھ رقص و سرود کی محفلیں حسب معمول برپا ہوتی رہیں۔ امین کی عیاشی اس کے قتل کا باعث بنی۔ مستعصم باللہ کی موسیقی پر فریفتگی نے عباسیوں کا چراغ گل کر دیا۔

اس معاملے میں ابن طقطقی اس قدر غلو کرتا ہے کہ شراب پینا تو درکنار اس کے متعلق گفتگو کرنے کو بھی وہ پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ بادشاہ کو جاہلوں اور عامیوں کی صحبت سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیتا ہے کیونکہ ان لوگوں کی گفتگو کا موضوع شراب و طعام اور عورتیں ہی ہوتا ہے اس لیے ان کا اثر بادشاہ کے دل و دماغ پر خراب پڑتا ہے۔ اور ان چیزوں میں انہماک بادشاہ کی بلند حوصلگی اور وسیع القلبی کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

عہدیدار

ابن طقطقی کے نزدیک کاروبارِ مملکت کے ٹھیک طریقے سے چلانے کے لیے موزوں عہدیداروں کا انتخاب بے حد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں رائے عامہ کو معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کرنا بہترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ ابن طقطقی کی رائے

ہے کہ عوام جس شخص کو پسند کریں اسے وہ عہدہ تفویض کیا جائے اور جسے برا سمجھتے ہوں اسے کوئی بھی عہدہ دیا جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ خلیفہ ناصر باللہ کے طرز عمل کو سراہتا ہے کہ وہ جب کسی شخص کو کسی عہدے پر فائز کرنا چاہتا تو کچھ دن پہلے اس بات کی شہرت کراتا کہ فلاں شخص کو فلاں عہدے پر مامور کر دیا گیا ہے۔ لوگ اس کی اچھائی اور برائی کے متعلق باتیں شروع کر دیتے جاسوس ان کے خیالات سے خلیفہ کو آگاہ کرتے رہتے۔ ان تمام موافق اور مخالف آراء پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جاتا۔ اگر زیادہ لوگ اس کی تعریف کرتے تو اس کی تقرری کے احکامات جاری کر دیئے جاتے۔ اگر عوام کی اکثریت اس کو برا سمجھتی تو یہ ارادہ فسخ کر دیا جاتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ابن طقطقی عہدیداروں کی تقرری کے سلسلے میں جمہوری اصولوں کا بڑا حامی نظر آتا ہے لیکن خود بادشاہ کے انتخاب کے متعلق وہ بالکل خاموش نظر آتا ہے بلکہ مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے خلاف مکمل حق تنسیخ دیتا ہے۔

ابن طقطقی بادشاہ کو عہدیداروں کے نصب و عزل میں عوام کی رائے کا احترام کرنے کا حامی ہے لیکن وہ چغل خوروں کی ریشہ دوانیوں سے بادشاہ کو آگاہ کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ چغل خوروں کی بات پر کان نہ دھرے اور جو بھی شکایت کسی کے خلاف آئے اس پر خوب غور و خوض کرنے کے بعد کوئی عملی قدم اٹھائے۔ ورنہ ندامت اٹھانی پڑے گی جب کہ ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ چغل خوروں کی بات میں آکر کوئی حکم نافذ کر دینے سے تین آدمیوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اول خود چغل خور جسے آگے چل کر اپنے اعمال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے دوسرا بادشاہ جو اپنے کیئے ہوئے پر نادم ہوتا ہے اور اس کی تلافی نہ کر سکنے میں بے بسی محسوس کرتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جسے ناکردہ گناہ کی سزا بھگتنی پڑی۔ ابن طقطقی ایک طرف بادشاہ کو چغل خوروں کی چغلی پر دھیان نہ کرنے کی تائید میں قرآن مجید کی آیت پیش کرتا ہے یاایھا الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃٍ فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین۔ اور دوسری طرف خود چغلی کھانے والوں کو اپنی اس نازیبا حرکت سے باز رکھنے کے لیے حدیث نقل کرتا ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کو ظاہر نہ کرے اس کے ساتھ بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ چغل خوروں کو لوگوں کے سامنے ان کی قلعی کھول کر ذلیل و خوار کرتا رہے تاکہ وہ اپنی یہ عادت چھوڑ دیں اور دوسرے بھی عبرت پکڑیں۔

سفیر

قرون وسطیٰ میں جب کہ ذرائع رسل و رسائل نہایت ناقص تھے سفیروں کو غیر محدود اختیارات دیئے بغیر چارہ نہ تھا۔ تاکہ مصلحت کے مطابق معاہدات کی شرطوں میں تبدیلی کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلم مفکرین نے سفراء کی اہلیت اور سفارت کی اہمیت پر اظہار رائے کیا ہے۔ ابن طقطقی بھی سفراء کے انتخاب میں بے حد احتیاط برتنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ دو چیزوں سے کسی نامعلوم شخص کی ذہنی صلاحیت اور عقل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک اس کا لکھا ہوا خط پڑھ کر اور دوسرے اس کے بھیجے ہوئے سفیر کو دیکھ کر اس کی ذہنی سطح معلوم کی جا سکتی ہے۔ اس

لیے بادشاہ کو چاہیئے کہ عاقل و دانا سفیر کو بھیجے جو اس کی شہرت اور ناموری کا باعث بنیں۔

ابن طقطقی سفراء کے اوصاف کا بھی جائزہ لیتا ہے۔ اس کے نزدیک سب سے اہم صفت عقل و دانائی ہے جس کے بغیر کوئی ایلچی اپنے فرائض کو ادا ہی نہیں کر سکتا ہے۔ عقل کا معیار یہ ہے کہ سفیر غلط اور صحیح، سیدھے اور ٹیڑھے میں تمیز کر سکے۔ دوسری صفت اس میں دیانت داری کی بھی پائی جانی چاہیئے تاکہ کسی لالچ میں آکر اپنے ملک و آقا کے خلاف غداری کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ اس سلسلے میں وہ تاریخ اسلام سے سفراء کی غداری کے متعدد واقعات نقل کرتا ہے جس کی وجہ سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ یہاں ان میں سے ایک واقعہ نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ امیر معاویہ نے اپنے ایک قریبی عزیز کو قیصر روم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تاکہ دونوں میں عہدنامہ مرتب کیا جا سکے۔ معاویہ نے نہایت سخت شرطیں رکھی تھیں۔ جب یہ سفیر رومی دربار میں پہنچا تو قیصر نے سفیر پر دباؤ ڈالا کہ وہ ان شرائط میں رد و بدل کر دے لیکن وہ راضی نہ ہوا۔ پھر بادشاہ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ تم بہت غریب آدمی ہو تمہارے افلاس کا یہ حال ہے کہ تم جب امیر معاویہ کے پاس جانا چاہتے ہو تو تمہیں کرایہ کی سواری حاصل کرنی پڑتی ہے۔" سفیر نے جواب دیا کہ "واقعی میری حالت ایسی ہی ہے۔" بادشاہ نے کہا "تم اپنی حالت بہتر بنانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ میرے پاس بہت مال و دولت ہے تم مجھ سے اتنا مال لے لو کہ ہمیشہ کے لیے دولت مند ہو کر معاویہ سے بے نیاز ہو جاؤ۔" آخر کار سفیر نے بیس ہزار دینار لے کر عہدنامے میں قیصر کی مرضی کے مطابق تبدیلی کر دی۔ ابن طقطقی اس واقعہ کے بیان سے اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سفیر عاقل اور دیانتدار ہونے کے علاوہ خوش حال ہو کیونکہ مفلوک الحال کا لالچ میں آجانا بعید از قیاس نہیں۔

تاریخ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہد انقلاب اور دور حاضرہ تک جمہوریت کی مکمل تاریخ جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقاء، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کش مکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ صفحات ۵۰۶۔ قیمت ۸/- روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

مطبوعاتِ بزمِ اقبال و مجلسِ ترقیِ ادب

مجلّہ اقبال سہ ماہی۔ مدیر: ایم۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار۔ سالانہ دس روپے۔

صحیفہ سہ ماہی۔ مدیر: سیّد عابد علی عابد۔ سالانہ دس روپے۔

		روپے
میٹافزکس آف پرشیا۔	مصنفہ علامہ اقبال	۵ — ۰ — ۰
امیج آف دی ویسٹ ان اقبال۔	مصنفہ مظہر الدین صدیقی	۲ — ۰ — ۰
اقبال اینڈ والنٹرزم۔	مصنفہ بشیر احمد ڈار	۶ — ۰ — ۰
فکرِ اقبال۔	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم	۱۰ — ۰ — ۰
ذکرِ اقبال۔	مصنفہ عبد المجید سالک	۵ — ۰ — ۰
علامہ اقبال۔	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم	۱ — ۸ — ۰
فلسفۂ اقبال۔	مرتبہ بزمِ اقبال	۶ — ۰ — ۰
اسلام اور تحریکِ تجدّد مصر میں۔	مترجمہ عبد المجید سالک	۵ — ۰ — ۰
غیب و شہود۔	مصنفہ سید نذیر نیازی	۳ — ۴ — ۰
حکمتِ قرآن۔	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم	۱ — ۰ — ۰
جمالیاتِ قرآن کی روشنی میں۔	مصنفہ نصیر احمد	۴ — ۰ — ۰
فلسفۂ شریعتِ اسلام۔	مترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ	۵ — ۰ — ۰
نظامِ معاشرہ اور اسلام۔	مترجمہ عبد المجید سالک و عزیز	۴ — ۰ — ۰
دولتِ اقوام ۳ جلد۔	مترجمہ عطاء اللہ و فخری	۳۶ — ۰ — ۰
سائنس سب کے لیے۔	مترجمہ آفتاب حسن	۲۰ — ۰ — ۰
فلسفۂ جدید۔	مترجمہ آشکار حسین	۲ — ۰ — ۰
فلسفۂ ہند و یونان۔	مصنفہ محمد شفیق	۳ — ۰ — ۰
تاریخِ اقوامِ عالم۔	مرتبہ مرتضےٰ احمد خاں	۱۰ — ۰ — ۰

ملنے کا پتہ: سیکریٹری بزمِ اقبال و مجلسِ ترقیِ ادب۔ نرسنگداس گارڈن۔ لاہور